جھوٹ

تحریر: جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

انسانی کردار میں پائی جانے والی بیشمار بیماریاں اور اخلاق کی ان گنت خرابیاں اپنے اپنے مقام پر قابلِ مذمت ہیں۔علمائے اخلاق نے انسانی نفسیات کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور اپنے اپنے علم و مطالعہ کی روشنی میں، انسانی سیرت کی اصلاح کیلئے بڑی بڑی عمدہ تدابیر تجویز کی ہیں۔مگر ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اپنے ایک فرمان کے ذریعے سیرت و کردار کی تمام ممکنہ خامیوں کی اصلاح کی تدبیر فرمادی ہے۔قارئین کرام کو وہ مشہور واقعہ یاد ہوگا۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص جو مجسمِ معصیت تھا، اپنی اصلاح کیلئے حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔تو آپؐ نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ جھوٹ سے اجتناب کرے گا اور صرف جھوٹ کے چھوڑ دینے سے وہ دیگر تمام اخلاقی عوارض سے نجات پا کر اعلیٰ درجے کا انسان بن گیا۔سو جھوٹ تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے۔یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ قرآن مجید میں جھوٹوں پر خدا کی لعنت آئی ہے۔کاذبین کے پورے طبقہ پر، بلاتخصیص پھٹکار ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پوری جماعت سے نفرت ہے۔قطع نظر اس سے کہ وہ مسلم ہو کہ غیر مسلم، موحد ہو کہ مشرک، نمازی ہو کہ بے نماز!

غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹا آدمی بزدل ہوتا ہے۔وہ اپنے کئے کرائے کی ذمہ داری قبول کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے سے ڈرتا ہے اور بچنے کیلئے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے۔مثلاً وہ چوری کرتا ہے اور عدالت میں کہتا ہے کہ اس نے چوری نہیں کی۔بچہ اپنی ماں کے پرس سے پیسے نکال لیتا ہے مگر بعد میں کہتا ہے کہ اس نے نہیں نکالے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ فعل پسندیدہ نہیں ہے۔اسی لئے وہ چھپ کر چوری کرتا ہے اور جب سزا کا خوف سامنے آتا ہے تو جھوٹ بول کر جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔

جاندار اور زندہ معاشرہ صرف اور صرف سچ سے قائم رہ سکتا ہے۔ہر شخص اپنے اعمال اور ان کے نتائج کو قبول کرتا ہے اور پھر جو نقصان یا سزا اس کے حصے میں آتی ہے اسے برداشت کرتا ہے۔اس سے معاشرہ توانا ہوتا ہے۔اس میں برائی کے خلاف مزاحمت کی قوت پیدا ہوتی ہے اور جس قدر صادقین کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اسی قدر معاشرہ زندہ ہوتا جاتا ہے۔کسی معاشرے کے زندہ یا مردہ ہونے کا فیصلہ صرف

صادقین کی تعداد سے ہی کیا جاسکتا ہے۔اگر یہ تعداد روز بروز رو بہ زوال ہواور افرادِ معاشرہ کذب بیانی کا وطیرہ اپناتے جائیں تو معاشرہ اسی نسبت سے مضمحل ہوتا جائے گا۔ یہ معاشرتی اضمحلال برائی کے سامنے سینہ سپر ہونے، اسے للکارنے اور اسکی جڑ کاٹنے میں ناکام ہی نہیں رہتا بلکہ اس کی اشاعت وترویج کا سبب بنتا ہے۔ایک عجیب صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نیکوکار، جھوٹ کے سامنے معاشرے میں بے بس ہو جاتے ہیں۔معاشرتی فساد اور بگاڑ کے طوفان کے سامنے وہ کوئی بند نہیں باندھ سکتے۔پھر یہ بھی عین ممکن ہے کہ سچے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور جھوٹے تعداد میں کم ہوں لیکن معاشرہ میں برائی کے مقابلے میں ریت کی دیوار ثابت ہوں۔معلوم ہونا چاہئے کہ جھوٹ جو وسیع مفہوم اور آخری معنی میں باطل کی ایک تحریک بن جاتا ہے، سچ یعنی حق کا اتلاف کرتا ہے۔مگر سچے لوگ یعنی اہلِ حق زہد وورع کے حجروں میں بیٹھے کڑھتے رہتے ہیں اور صرف اپنا دامن بچانے کی سعی کرتے ہیں۔لیکن بہت جلد وہ وقت آجاتا ہے کہ باطل ان کی مقدس خانقاہوں کو مسمار کرڈالتا ہے۔

دیکھیں! برائی کے سمندر میں اگر نیکی کا واقعی کوئی جزیرہ ہو تو یہ ممکن نہیں کہ اس کی لہریں اس جزیرے پر چڑھائی نہ کرتی رہیں۔آخرایک نہ ایک دن برائی کا سمندر نیکی کے اس جزیرے کو اپنی گہرائیوں میں ڈبودے گا۔اس لئے عنداللہ وہ اہلِ حق، جو باطل کی تحریک کی مزاحمت کرنے کی جگہ حجروں، خانقاہوں اور چلہ خانوں میں اللہ اللہ کرنے تک محدود ہو گئے، اہل باطل کے ساتھ ہی شمار ہوتے ہیں۔چنانچہ حکم باری تعالیٰ ہے: ﴿یاأیھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین﴾ ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔'' صادقین کے ساتھ ہو جانا، یہ نہیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ ہی عزلت گزیں اور گوشہ گیر ہو جائیں بلکہ یہ ہے کہ وہ اہل حق جو برائی کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، ہم بھی ان سے تعاون کریں اور معرکۂ حق وباطل میں اپنی توانائیاں حق کے حق میں خرچ کریں۔نیک لوگوں کو بڑی بھول لگی ہے کہ ہمارے کچھ کئے کرائے بغیر ہی ایک جنتِ ارضی قائم ہو جائے گی۔ جہاں رشوت نہ ہوگی، جہاں ظلم نہ ہوگا، جہاں انصاف کی بولی نہ لگتی ہوگی۔ یہ غلط فہی دور کرنا چاہئے۔صادقین کو کاذبین کے خلاف مسلسل برسرِ عمل رہنا پڑے گا۔صدق وکذب یا حق وباطل یا سچ وجھوٹ کی یہ آویزش تا قیامِ قیامت جاری رہنے والی ہے۔برائی اپنا وجود مٹنے نہیں دیتی۔ایک برا آدمی مرنے سے پہلے اپنی اولاد دنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔اپنی زندگی کے دوران اپنی توانائی باطل کی اشاعت کیلئے خرچ کرگیا ہے اور اپنا وزن معصیت کے پلڑے میں ڈال گیا ہے۔اب اگر اہل حق صرف چلے ہی کاٹتے رہیں تو ان کی یہ بابرکت کاروائی، باطل کے استیصال میں

کوئی مفید خدمت سرانجام نہیں دے سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے باطل کو للکارا اور اس کو مٹانے کیلئے صرف دعاؤں پر تکیہ نہیں کیا بلکہ باطل پر حربی ضرب لگانے کیلئے جب آپؐ کے 313 اصحابؓ کی جماعت تیار ہوگئی تو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر آپؐ نے میدانِ بدر میں ڈیرے ڈال دیئے۔

قبولِ اسلام کے وقت بندہ دراصل دنیا کی سب سے بڑی سچائی یعنی وجود باری تعالیٰ پر اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر شہادت دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ بندہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی سچ بولتا ہو... سچی گواہی بھی کسی عدالت میں دے آتا ہو... آج بھی بہت سے غیر مسلم معاشروں میں سچ کا چلن ہے۔ لیکن حق پر شہادتِ کبریٰ کے بغیر غیر مسلم معاشرے، صادق نہ شمار ہوں گے۔ البتہ اگر وہ اپنے لادین یا زندیق معاشروں میں سچ بولتے ہوں تو سچ کی دنیوی اور معاشرتی برکات سے ضرور فیض یاب ہوں گے۔ اگر امریکی یا یہودی یا ہندو عدالتوں میں سچی گواہی دیتے ہوں تو ان کے معاشرے توانا کہلائیں گے۔ اس کے مقابلے میں اگر مسلمان سچی شہادت دینے میں کوتاہی کرتے ہوں اور اس سے بڑھ کر جھوٹی شہادتیں دیتے ہوں تو ان کے معاشرے بودے کہلائیں گے۔

عدل کی بنیاد شہادت پر ہے۔ بلاشبہ عادل قاضی کا ہونا بھی انصاف کے اولین تقاضوں میں ہے۔ راشی، متعصب قاضی، مسندِ انصاف کے اعلیٰ وارفع تقاضے ملیا میٹ کردیتا ہے اور سچی شہادت کو بھی مسترد کرسکتا ہے، جانبدار منصف اپنے معاشرتی رجحانات اور مذہبی تعصبات کے تحت غلط فیصلے بھی کرسکتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اور دیگر قباحات دراصل کمزور معاشرے میں ہی ہوتا ہے۔ اگر معاشرہ توانا، جاندار اور بے باک ہوگا تو وہ کسی بددیانت قاضی کو مسندِ قضاء پر فائز ہی نہیں کرے گا۔ بددیانت قاضی اگر کارِ قضا پر متمکن ہوں گے تو بنیادی طور پر معاشرہ بددیانت ہوگا۔

اسلام نے سچی شہادت چھپانے والے کو گناہ گار دل والا کہا ہے۔ شہادت چھپانا یعنی سچی شہادت نہ دینا یا جھوٹی شہادت دینا بڑا ہی ردی فعل ہے۔ دل کا گناہ گار ہونا یہ ہے کہ اس شخص میں نیکی کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ جب دل گناہ گار ہوگیا تو نیکی اور بھلائی کا داعیہ ہی ختم ہوگیا۔ شہادت چھپانے والا اول درجے کا جھوٹا اور بزدل ہوتا ہے۔ اسے اپنی معاشرتی ذمہ داری کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہوتا۔ انصاف کا قیام، اس کی شہادت کا محتاج تھا مگر اس نے اپنی بزدلی کی وجہ سے شہادت سے منہ موڑ کر انصاف کا قتل کرایا ہے یا اپنے تعصب، برادری ازم یا کسی مفاد کی خاطر حق سے منہ موڑا ہے اور یہ سب صورتیں اس کی بزدلی اور انصاف دشمنی کا ثبوت ہیں۔ پارٹی باز لوگوں کا ایک مقولہ ہے کہ ''دھرم سے دھڑا پیارا ہوتا ہے۔'' دھرم بمعنی

دین، ایمان اور انصاف کے ہے۔ اس قسم کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پارٹی، برادری اور دھڑے پر سچ اور حق وانصاف کو قربان کر دینا چاہئے۔ یہ ایک رویہ ہے جو بیمار اور کمزور معاشروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی رویے سے نسل در نسل قتل کا سلسلہ چلتا ہے۔ متحارب گروہوں میں عداوت کو پروان چڑھانے والی قوت دراصل جھوٹ ہے۔ دونوں طرف سے جھوٹے گواہ بھگتائے جاتے ہیں۔ ایسے میں عدالتوں کیلئے انصاف کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ اسی کا اثر ہے درجنوں کے حساب سے قتل کرنے والے بری ہوتے رہتے ہیں اور درجنوں کے حساب سے بے گناہ افراد جھوٹی شہادتوں کے باعث تختۂ دار پر لٹک جاتے ہیں۔

عدالتوں کو مِسل مقدمہ پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ اگر گواہ ہی جھوٹ بولتے ہوں اور ان کے مقابلے میں کوئی بھی بہادر شخص رضا کارانہ طور پر سچی شہادت دینے کیلئے تیار نہ ہو تو جج کیا کر سکتا ہے؟ جج تو مِسل کا پابند ہے۔ فرض کریں کوئی جج ذاتی طور پر واقعاتِ مقدمہ کو جانتا ہے مگر کوئی گواہ ان کے اثبات پر سچی شہادت پیش نہیں کرنے آتا تو جج اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

اسی بزدلانہ رویہ نے پیشہ ور گواہوں کا طبقہ پیدا کیا ہے۔ غیر عادلانہ معاشروں میں جن کی رگ و پے میں جھوٹ رچ بس گیا ہوتا ہے' قیامِ انصاف ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کا بدیہی اثر ہے کہ ہر طرف ظلم اور ناانصافی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ باطل اس حد تک ظلم و تعدی پر اتر آتا ہے کہ خیر کی قوتیں شکست کھا جاتی ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ ''مملکت کفر پر تو قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم پر نہیں۔'' ایسے میں سچے گواہ اس لئے دبک جاتے ہیں کہ جن کے خلاف شہادت دیں وہ ان کی سلامتی کیلئے سنگین خطرہ بن جاتے ہیں۔ جب کہ قانون ان کو کوئی تحفظ نہیں دیتا مگر اسلام اس سب کچھ کے باوجود ان سے حق کے واسطے ڈٹ جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ باطل کے مقابلے میں اگر سچے لوگ پسپا ہوتے جائیں گے تو اسی قسم کی کیفیات پیدا ہوں گی جن کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ حق وانصاف کا مطالبہ ہے کہ اہلِ حق اس کیلئے قربانی دیں۔ کوئی بھی معاشرتی بگاڑ اصلاحی تحریک کے بغیر ختم نہیں ہو سکتا۔ اسلام ایک اصلاحی تحریک ہے جس کا ایک ہمہ گیر پروگرام ہے۔ وہ پوری انسانی زندگی اور ساری معاشرتی برائیوں کی تطہیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دعوت پر جو لوگ لبیک کہیں وہ سب سے پہلے حق کی شہادتِ کبریٰ دیں یعنی وجودِ باری تعالیٰ اور رسالتِ حضرت محمد ﷺ کا اقرار کریں مگر اس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ تسلیم کریں اور حضور اقدس ﷺ کو اس کا رسول اس طرح تسلیم کریں کہ اپنی تمام خواہشات و داعیات کو آپ ﷺ کی نورانی تعلیمات کے تحت کریں۔

صفحۂ ہستی پر ہمیشہ کی طرح آج بھی ایسے سینکڑوں معاشرے موجود ہیں جو وجودِ باری تعالیٰ کے

مقر ہیں مگر وہ مسلم نہیں کہلاتے کیونکہ وہ شہادتِ کبریٰ کے دوسرے جز و یعنی رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے۔ مزید برآں وہ وجودِ باری تعالیٰ کے اقرار کے بعد پھر ارتکابِ شرک بھی کرتے ہیں۔ شرک سب سے بڑا جھوٹ اور توحید سب سے بڑی سچائی ہے... مرحب و انتر بزدل تو نہ تھے مگر جب حضرت علیؓ کے مقابلے میں اترے تو آنِ واحد میں دو نیم ہو گئے۔ رستم بزدل نہ تھا مگر مجاہدِ اسلام ہلال کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔ یزدگرد کوئی ڈرپوک نہ تھا مگر قادسیہ میں ایسا گمنام ہوا کہ تاریخ اس کا سراغ نہ لگا سکی۔ یہ حق و باطل کی مبارزت تھی اور باطل کبھی حق کے مقابلے میں نہیں جم سکتا۔ حق و باطل کے جتنے بھی معرکے تاریخ میں مرقوم ہیں ان کو پڑھیں تو ایک حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ باطل کو ہمیشہ عددی اکثریت اور فوجی برتری حاصل رہی ہے جب کہ حق کے کیمپ میں قلتِ تعداد اور سلاحِ جنگ کی کمیابی کا سامنا رہا۔ مگر آخری فتح ہمیشہ حق کو حاصل ہوئی۔ سو آج بھی اگر اہلِ حق کی تعداد تھوڑی ہے تو بھی فتح ان کو حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ باطل کے مقابلے میں میدانِ عمل میں کود پڑیں۔

حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے منافق کی تین بڑی نشانیاں بتلائی ہیں: ۱۔ منافق وعدہ کرے تو پورا نہیں کرتا۔ ۲۔ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ۳۔ امانت میں خیانت کرتا ہے۔ قرآن شریف میں منافقین کی شہادتِ کبریٰ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منافقین آپ ﷺ کی رسالت پر شہادت دیتے ہیں مگر جھوٹے ہیں ان کی باتوں پر غور کریں اور دیکھیں کہ آج ہمارے معاشرے میں منافقین کے اوصاف سرایت کر گئے ہیں۔ الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں مگر خیانت کا یہ حال ہے کہ وزیر اعظم تک سرکاری خزانے میں خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایسے میں عوام کی خیانت کا کیا شمار ہو سکتا ہے۔ جھوٹ کا یہ عالم ہے کہ عدالتوں میں حلف اٹھا کر جھوٹی گواہی دی جاتی ہے۔ ایفائے عہد کے متعلق یہ مقولہ بن گیا ہے

؎ ''وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا''

ایک لطیفہ بھی سن لیجئے! سکولوں سے غیر حاضر رہنے والے بچے اگلے دن کوئی جھوٹ بول دیتے ہیں کہ اپنی غیر حاضری کا جواز پیش کر سکیں۔ یہ بہانے اکثر بیماری، شادی یا موت کے حوالے سے تراشے جاتے ہیں۔ کسی بچے سے ماسٹر صاحب نے وجۂ غیر حاضری پوچھی تو اس نے کہا: ''میری امی کی شادی تھی۔'' کمرۂ جماعت کشتِ زعفران بن گیا۔ تفنن برطرف! یہ بات ہے تو چھوٹی سی... مگر ایک رویے کی نشاندہی کرتی ہے کہ ہمارے معصوم بچے بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ آخر کیوں؟ یہی کہ بڑے جھوٹ بولتے ہیں... دروازے پر دستک ہو۔ باپ گھر میں موجود ہو اور اگر وہ بچے سے کہے کہ جاؤ جا کر کہہ دو کہ ''ابو گھر پر نہیں ہیں'' تو

دراصل ابومحترم نے بے گناہ بیٹے کو جھوٹ بولنے کی تعلیم دی ہے۔ بڑے، دن رات اپنے عمل سے بچوں کو جھوٹ بولنے کے طریقے سکھاتے ہیں۔ مثلاً سائل دروازے پر صدا کر رہا ہے۔ ماں بچے سے کہتی ہے: ''جاؤ کہہ دو! ہمارے گھر میں آٹا نہیں ہے، معاف کرو۔'' حالانکہ بچے کو معلوم ہے گھر میں آٹے کی بوری پڑی ہے۔ایسی ماں نے دو جرم کئے ہیں۔ کیونکہ وہ بزدل تھی۔ وہ دلیر بنتی اور سائل کو سیدھا جواب دیتی کہ وہ اسے کچھ نہیں دینے کی! مگر وہ بزدل تھی اس لئے اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ دوسرے اس نے بچے کو جھوٹ بولنے کی تعلیم دی۔ سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین رخصت لینے کیلئے تحریری جھوٹ بولتے ہیں۔ آخر کیوں؟ یہی کہ وجہ رخصت حقیقی نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سچ بولنے سے رخصت نہیں ملتی تو اپنے حق کیلئے لڑائی کی جائے مگر جھوٹ نہ بولا جائے۔ اس طرح سے ایک وقت آئے گا کہ یہ مقولہ بن جائے گا کہ پاکستانی حق کیلئے لڑ تو سکتا ہے مگر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ امریکی کانگرس نے صدر بل کلنٹن کا مواخذہ بدکاری پر نہیں کیا تھا بلکہ جھوٹ بولنے پر کیا تھا۔ ان کے ہاں رضامندی سے جنسی بے قاعدگی کوئی جرم نہیں ہے۔ مگر کلنٹن کے گلے میں رسی ڈال کر اس لئے گھسیٹا گیا تھا کہ اس نے اپنی بریت کیلئے جھوٹ بولا تھا۔ امریکی قوم یہ برداشت نہ کر سکی کہ ان کا صدر جھوٹ بولتا ہو۔ گویا ان کے نزدیک جنسی بے راہ روی تو برداشت ہو سکتی ہے مگر جھوٹ ناقابلِ برداشت ہے۔ یہ مثال اس لئے نہیں دی گئی کہ امریکی معاشرہ کوئی مثالی معاشرہ ہے یا میرے دل میں اس کی کوئی عظمت سمائی ہے۔

زندہ اور جاندار معاشرہ سچ سے قائم رہتا ہے۔ سچ کو قائم رکھنے کیلئے افراد معاشرہ کو تکالیف جھیلنا پڑتی ہیں۔ قربانی دینا پڑتی ہے۔ تعلیم دینا پڑتی ہے۔ سچ کی آبیاری کرنا ہوتی ہے۔ جھوٹ اپنی افزائش کیلئے کسی شعوری کوشش کا محتاج نہیں بلکہ سچ اپنی حیات کیلئے سوچی سمجھی جدوجہد کا طالب ہے۔ یہ جدوجہد بہادر لوگ کرتے ہیں۔ مسلمان شہادتِ کبریٰ دینے کے بعد بہادر ہو جاتا ہے۔ وہ ہر سطح پر جھوٹ یعنی باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس کے خلاف کرتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس کی شہادتِ کبریٰ میں کوئی نقص واقع ہو چکا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کلمۂ توحید کے علمبردار معاشرے میں جھوٹ پنپ سکے۔ جہاں عدالتوں کو سچی گواہی نہ دی جاتی ہو اور لوگ دروغ حلفی کا ارتکاب کرتے ہوں... وہاں سمجھ لیں کہ توحید میں شرک اور سنت میں بدعت آ گئی ہے۔ ہم باتیں تو دورِ فاروقیؓ کی کرتے ہیں مگر اپنے ایمان و عمل پر نظر نہیں کرتے۔ اسی لئے تو امریکہ ہم پر دھونس جماتا ہے۔ آیئے! اپنے ایمان و عمل کو خلفائے راشدین کے دور کے درجہ پر لے جائیں۔ پھر ہم امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معاملہ کریں گے۔